ہندی کا ماخذ: نظریات، حقائق اور تجزیہ

محمد خاور نوازش*
ڈاکٹر انوار احمد**
ڈاکٹر روبینہ ترین***

Abstract:

Hindi is direct descendant of Khari-Boli dialect spoken in Delhi and its surroundings during the 13th century. Khari-Boli was developed from the Shauraseni Apabhramsha which was the third stage of Indo-Aryan Family of Languages in Madhiyadesa. As the progress of Hindi and Urdu was always a controversial topic between the scholars of both languages due to issues of nationalism and religious attachments, therefore it is not very easy to develop a concept about the origin of these languages. The very first misunderstanding regarding the origin of Hindi was created unintentionally by G.A. Grierson. He categorized Madhiyadesa's languages under the titles of 'Eastern Hindi' and 'Western Hindi' in 'Linguistic Survey of India'. Later, in Fort William College, Lallu Lal Kavi made an effort to develop a new (style of) language. He wrote 'Prem Sagar' replacing all Arabic and Persian words with Sanskrit and Braj Basha words. Although both of these developments have no mutual link, however it led to the start of misconceptions about origin of Hindi. This article deals with the theories and facts about the origin of Hindi and analyzes the relationship between Hindi and its dialects.

ہندی لسانیات پر زیادہ کتب ہندی اور انگریزی میں موجود ہیں۔ اُردو زبان کے ایک عام طالب علم کے سامنے ہندی کا ذکر آتے ہی عموماً پہلا سوال یہ کھڑا ہوتا ہے کہ اس سے کون سی زبان مراد ہے؟ وہ جس میں کبیرؔ نے شعر کہے یا جس میں تلسی داس نے لکھا' وہ زبان جس میں سورداس، ملک محمد جائسی یا میرابائی کی شاعری موجود ہے یا

* پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان
** پروفیسر (ریٹائرڈ)، شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان
*** شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

پھران سب سے ہٹ کر وہ زبان جو ہندی فلموں میں سننے کو ملتی ہے اور ایک عام بھارتی شہری کی گفتگو کی زبان ہے! ہندی کے حوالے سے یہ وضاحت اس لیے بھی ضروری ہوگئی کہ ہندی اور اُردو لسانیات کی تاریخ کے بڑے عالم جارج گریرسن نے کم وبیش ایک صدی پہلے 'لنگوسٹک سروے آف انڈیا' میں کچھ زبانوں کے فرضی نام درج کر کے ایسا ابہام پیدا کیا جو پوری طرح آج تک رفع نہیں ہوسکا۔ ایک وقت تھا جب ہندوستان کی کم وبیش تمام زبانوں کے لیے ایک ہی نام 'ہندی' استعمال کیا جاتا تھا۔ جارج گریرسن نے جب اودھ، بندھیل کھنڈ، بگھیل کھنڈ اور چھتیس گڑھ وغیرہ کی زبانوں کا ماخذ 'مشرقی ہندی' اور دہلی اور نواحِ دہلی کی زبانوں کا ماخذ 'مغربی ہندی' کو لکھا تو ایسا تذبذب پیدا ہوا کہ آئندہ جو ادبی ولسانی تواریخ لکھی گئیں اُن میں مشرقی ہندی اور مغربی ہندی کو ایک ہندی زبان کی دو بولیاں سمجھا جانے لگا۔ جبکہ حقیقت میں یہ دونوں نام فرضی ہیں۔ مشرقی ہندی نام کی کوئی زبان کبھی تھی اور نہ مغربی ہندی نام کی۔ اصل میں مختلف بولیوں کی قواعدی ساخت میں اشتراک کے پیشِ نظر گریرسن نے اُن کی گروہ بندیاں ان دو عنوانات کے تحت کی تھیں یا یوں سمجھ لیجیے کہ انھوں نے ملتی جلتی چند بولیوں کے ماخذ کے طور پر ان دو زبانوں کے نام فرض کر لیے۔ مشرقی ہندی کو 'اردھ ماگدھی' پراکرت سے ماخوذ مانتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"A development of the Prakrit of that tract, Ardha-Magadhi, hence became the sacred language of the Jains and its modern successor, Eastern Hindi, through the influence of the great poetical genius, became the mediam for celebrating the Gestes of Rama, and, in consequence, the dialect used for at least half the literature of Hindostan. Eastern Hindi, which includes three dialects, Awadhi, Bagheli and Chhattisgarhi, occupies part of six provinces, namely, Oudh, the Province of Agra, Baghelkhand, Bundhelkhand, Chota Nagpur, and the Central Provinces."**(1)**

اور مغربی ہندی کو 'شورسینی پراکرت' سے ماخوذ مانتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"The Home of Western Hindi closely agrees with Madhyadesa, or Midland, of ancient Sanskrit geographers. The Madhyadesa was the country between the Saraswati on the west and what is now Allahabad on the east. Its northern boundary was the Himalaya Range and its southern the Narbada River. Between these limits lay, according to tradition, the holy land of Brahmanism. It was the centre of Hindu civilization, and the abode on earth of its deities. Western Hindi does not extend as far east as Allahabad, its eastern limit is about Cawnpore, but in other respects the area in which it is spoken is almost exactly the same as

> madhyadesa......Western Hindi has five dialects, Hindostani, Bangaru, Braj Bhakha, Kanauji, and Bundeli."(2)

ان اقتباسات سے محسوس ہوتا ہے کہ گریرسن مشرقی ہندی کی تین بولیوں (اودھی، بگھیلی اور چھتیس گڑھی) اور مغربی ہندی کی پانچ بولیوں (ہندوستانی، بانگڑو، برج بھاکھا، قنوجی اور بندھیلی) تک ہی محدود رہتے ہیں لیکن لسانیاتی جائزۂ ہند میں ہی انھوں نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ بنگالی اور مراٹھی بھی اتنی ہی ہندی ہیں جتنی کہ دوآب کی بولیاں۔ دراصل گریرسن کا سروے ۱۸۹۴ء سے ۱۹۲۸ء کے درمیان مکمل ہوا سو قیاس کیا جا سکتا ہے کہ انیسویں صدی کے ربع آخر میں ہندی کی جس منفرد اور مستقل حیثیت کی تحریک چل رہی تھی اُس نے گریرسن کو بھی اُلجھاؤ میں ڈال دیا۔ انھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ بنگال اور پنجاب کے درمیان بولی جانے والی تمام زبانوں کو ہی ہندی کی مختلف بولیاں تصور کیا جائے۔ اسی خود ساختہ اصول کے تحت انھوں نے مشرقی ہندی اور مغربی ہندی کے نام گھڑ لیے۔ اُن کا ایک اور اقتباس ملاحظہ کریں:

> "......Europeans use the word [Hindi] in two mutually contradictory senses, viz. sometimes to indicate the Sanskritised, or at least the non-Persianised, form of Hindostani, which is employed as a literary for of speech by Hindus, and which is usually written in the Nagri character; and sometimes. Loosely, to indicate all the rural dialects spoken between Bengal proper and Panjab. In the present pages, I use it only in the former sense. This Hindi [dialect of Hindostani] , therefore, or, as it is sometimes called, 'High-Hindi' in the prose literary language of these Hindus of Upper India who do not employ Urdu. It is of modern origin, having been introduced under English influence at the commencement of the last century. Up till then, when a Hindu wrote prose and did not use Urdu, he wrote in his own dialect, Awadhi, Bundeli, Braj Bhakha, or what not."(3)

گیان چند جین لکھتے ہیں کہ:

> ’’دراصل گریرسن اور دوسرے مستشرقین نے مغربی ہندی اور مشرقی ہندی کی اصطلاحیں استعمال کر کے ستم کیا۔ مغربی ہندی کو ہندوستانی اور مشرقی ہندی کو پوربی کہا ہوتا تو خوامخواہ انھیں ایک ہی زبان کی بولیاں نہ سمجھ لیا جاتا۔ جہاں تک بول چال کا تعلق ہے، ابتدا سے آج تک اُردو اور ہندی میں کوئی فرق نہیں رہا۔‘‘ (۴)

گیان چند جین کے اُردو اور ہندی کو بول چال کی سطح پر ایک ہی زبان تسلیم کرنے سے ہندی کے ماخذ کے بارے میں رائے قائم کرنا بظاہر آسان معلوم ہوتا ہے لیکن کیا یہ واقعی اتنا آسان ہے۔ آج ہندی کی کوئی بھی ادبی

تاریخ اُٹھائیں تو راجستھانی اور بہاری کی تمام بولیوں بلکہ مراٹھی اور پہاڑی تک کا ادب اس تاریخ کا حصہ ہوگا لیکن لسانیاتی نقطۂ نظر سے ہندی، بہاری، راجستھانی، مراٹھی اور پہاڑی مختلف زبانیں ہیں۔ ایسے میں ہندی کی ابتدا کا بیان کیسے ہو۔ یہ تمام زبانیں بلاشبہ ہندآریائی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں لیکن اس حقیقت کو دلیل بنا کر پنجابی اور بنگالی کو ایک ہی زبان کہنا سراسر غلط ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح اس بات کو دلیل بنا کر کہ ماضی میں بابا فرید گنج شکر نے اپنی شعری زبان کو ہندی یا ہندوی کہا تھا، ہم سمجھیں کہ اُن کی زبان اور مراٹھی کا ماخذ ایک ہی تھا تو یہ بھی درست نہیں ہوگا۔ ہمیں بہر حال 'ہندی' کی ایک تعریف متعین کرنا ہوگی۔ لیکن اس سے قبل ہندی کے چند ماہرین لسانیات کی آرا پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔

شیام سندر داس کے خیال میں عام طور پر جیسلمیر، انبالہ اور شملہ سے لے کر مشرقی نیپال تک اور بہار سے لے کر رائے پور اور کھنڈوا تک کے علاقے کو ہندی کا علاقہ کہا جاتا ہے لیکن درحقیقت اس علاقے میں راجستھانی، بہاری، پہاڑی اور پوربی ہندی وغیرہ بولی جاتی ہیں' صرف مغربی ہندی کو ہندی ماننا درست ہے اور مشرقی ہندی کو ہندی کے زمرے میں شامل کرنا درست نہیں کیونکہ اس کا حسب نسب مغربی ہندی سے مختلف ہے(۵)۔ شیام سندر داس کا یہ خیال لسانیاتی نقطۂ نظر سے بالکل درست ہے۔ اس سے قبل گیان چند جین کا جو اقتباس درج کیا گیا ہے اُس میں انھوں نے بھی گریرسن کی مشرقی ہندی سے پوربی مراد لیا ہے جو مغربی بولیوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتی۔

ڈاکٹر دھریندر ورما کی ہندی زبان کی تاریخ کے حوالے سے تین کتب 'ہندی بھاشا کا اتہاس'، 'گرامین ہندی' اور 'ہندی بھاشا اور لپی' قابل ذکر ہیں۔ ان کتب سے اُن کے درج ذیل خیالات سامنے آتے ہیں:

- ہندی کے دو مفاہیم ہیں۔ معمولاً ہندی لفظ کا استعمال ادبی کھڑی بولی ہندی ہی کے لیے ہوتا ہے لیکن راجستھان سے بہار اور نیپال سے مدھیہ دیش تک کی مختلف بولیوں کو بھی ہندی میں شامل کیا جاتا ہے(۶)۔
- ہندی اُپ بھاشائیں پانچ ہیں جن میں مغربی ہندی، مشرقی ہندی، پہاڑی، راجستھانی اور بہاری شامل ہیں لیکن کچھ لوگ پنجابی کو بھی ہندی کی اُپ بھاشا مانتے ہیں(۷)۔
- پوربی ہندی کچھ باتوں میں پچھمی ہندی سے ملتی ہے اور کچھ میں بہاری بھاشا سے۔ ہندی بھاشا بہاری کی چچیری بہن کہی جاسکتی ہے(۸)۔

ڈاکٹر دھریندر ورما ہندی کے دونوں مطالب کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں لیکن اُن کا زور اس بات پر ہے کہ ہندی کا وہی مطلب لیا جائے جو گریرسن نے لیا تھا کہ پورب سے پچھّم تک کم و بیش تمام ایسی ہندی بولیاں جن میں ادب لکھا گیا، ہندی بھاشا کے اتہاس کا الگ الگ باب شمار کی جانی چاہئیں۔ پوربی ہندی کو پچھمی ہندی سے ملتی جلتی خیال کرنا اور بہاری، پہاڑی، راجستھانی، یہاں تک کہ پنجابی کو بھی ہندی کی اُپ بھاشا کہنا اسی بات کی دلیل ہے۔ پوربی اور پچھمی ہندی تک تو بات کچھ سمجھ میں آتی ہے لیکن پنجابی کو ہندی کی اُپ بھاشا سمجھنا درست نہیں۔ پنجابی کے دو لہجے مشرقی اور مغربی بالترتیب ٹکی اور کیکئی اَپ بھرنش سے ماخوذ ہیں۔ لسانیاتی نقطۂ نظر سے اس کا ارتقا مدھیہ

دیشی بولیوں سے بالکل مختلف بنیاد پر ہوا ہے اس لیے اسے ہندی کی کسی بولی سے اگر تھوڑی بہت نسبت ہوسکتی ہے تو صرف یہ ہوگی کہ بعض اوقات غیر محسوس انداز میں ایک ہمسایہ بولی کے الفاظ دوسری ہمسایہ بولی میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن انھیں بنیادی لغت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ڈاکٹر پرکاش مونس لکھتے ہیں کہ:

> ''ہندی کے توسیع پسندوں نے بہت ہاتھ پاؤں پھیلائے اور پنجابی تک کو ہندی کے زیرِ نگیں گھسیٹنا چاہا لیکن سردار جی کا ڈنڈا، بلکہ کرپان اور اکالیوں کی پنجابی صوبے کی تحریک دیکھ کر کسی کو ہمت نہ رہی کہ پنجابی کو ہندی کی بولی کہہ سکے اور آخر پنجابی بولنے والوں کو ہندی بولنے والوں سے کاٹ کر اُن کا الگ صوبہ (اسٹیٹ) بنا دینا پڑا۔'' (۹)

ڈاکٹر سوریہ پرشاد اگروال بھی پنجابی کو ہندی کی اُپ بھاشا قرار دینے والوں میں شامل ہیں۔ اُن کے مطابق اُتر میں دہلی سے لے کر پورب میں بنارس گورکھپور تک کے 'بولی رُوپ' ہندی میں شامل ہیں' انھوں نے ہندی کے چار کھنڈ حصے پنجابی اُپ بھاشا کھنڈ، راجستھانی اُپ بھاشا کھنڈ، ہندی اُپ بھاشا کھنڈ اور بہاری اُپ بھاشا کھنڈ قرار دیے ہیں (۱۰)۔ اسی طرح ڈاکٹر اُدے نرائن تواری جن کی کتاب 'ہندی بھاشا کا اُدگم اور وکاس' ۱۹۶۱ء میں الٰہ آباد سے شائع ہوئے بھی یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ بہاری کی بولیوں کا بنگالی سے اور ہندی کا راجستھانی اور پنجابی سے زیادہ قریب کا سمبندھ ہے۔ ایک بے پڑھا بہاری بنگال میں جا کر تھوڑی سی کوشش سے شُدھ بنگلہ بول سکتا ہے لیکن معمولاً ایک پڑھے لکھے بہاری کے لیے بھی شُدھ ہندی بولنا آسان کام نہیں ہے (۱۱)۔ بہاری بولیوں اور بنگالی کے حوالے سے تو بعد میں بات ہوگی تاہم پنجابی اور راجستھانی میں سے اگر صرف راجستھانی کی بات کی جاتی تو لسانیات کی رُو سے یہ خیال قابلِ لحاظ ہوتا کیونکہ راجستھانی اور گجراتی بھی مغربی ہندی کی مختلف بولیوں کی طرح شورسینی اَپ بھرنش سے براہِ راست ارتقا پاتی ہیں۔ پنجابی کا ماخذ مختلف ہے۔ ڈاکٹر رام بلاس شرما ہندی کے ہی ایک اور ماہرِ لسانیات ہیں جن کی تصانیف 'بھارت کی بھاشا سمیا'، 'بھاشا اور سماج'، 'بھارت کے پراچین بھاشا پریوار اور ہندی' اور 'بھارتی ساہتیہ کی بھومیکا' وغیرہ نہایت اہم ہیں۔ وہ سوریہ پرشاد اگروال اور اُدے نرائن تواری سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شبد بھنڈار کی آزادی اور قواعد کی خصوصیات کے سبب پنجابی اور راجستھانی کو ہندی سے آزاد بھاشائیں ماننا چاہیے۔ لیکن ساتھ ہی ایک اور ایسی بات کرتے ہیں جو بجائے خود بہت غیر علمی ہے۔ اُن کے خیال میں اصل یہ ہے کہ موجودہ حالت میں پنجابی اور راجستھانی نہ زبان ہیں نہ بولی بلکہ ان کے بیچ ہیں (۱۲)۔ یوں تو اُن کی شہرت ایک اشترا کی لیکھک کی ہے لیکن 'بھاشا اور سماج' میں وہ طبقاتی فرق کو خود ہی زبان کے باب میں جس طرح اُبھارتے ہیں وہ سماجیات کے ہر طالبِ علم کی نظر میں حیرت انگیز ہوگا۔ رام بلاس شرما کا خیال ہے کہ زبان کو اوپر اور نیچے کی سطح پر مختلف طور پر استعمال کیا جانا چاہیے۔ راجستھان، پنجاب اور جموں کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان ریاستوں میں اخبار، ادب، دفتر اور عدالت میں ہندی زبان میں کام ہونا چاہیے کہ یہ اونچی سطح ہے اور نچلی سطح پر سماج میں [رابطہ، گیت، ناٹک، کاروبار کے لیے] مقامی زبانیں پنجابی، راجستھانی، ڈوگری، گڑھوالی سے کام

لیا جانا چاہیے (۱۳)۔ یہ خیال کسی سوشل ریفارمر کا تو ہوسکتا ہے لیکن ایک ماہر لسانیات زبان کو اوپری اور نچلی سطح میں اس طرح تقسیم کر کے نہیں دیکھ سکتا۔ دراصل ڈاکٹر رام بلاس شرما جب لسانی اُصولوں کو سامنے رکھتے ہیں تو پنجابی اور راجستھانی کو آزاد بھاشائیں تسلیم کرتے ہیں لیکن پھر ماضی بعید میں جب پورے برصغیر کی زبانوں کے لیے ہندی کا لفظ مستعمل دیکھتے ہیں تو ہندی کو پورے خطے کی زبان ماننے کا من چاہتا ہے۔ آخر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ:

> ''ایک بھاشا کی بولیاں وہی نہیں ہوتیں جو اس بھاشا کے پریوار کی ہوں بھن بھاشا پریواروں کی بولیوں کو ساماجک کارنوں سے کبھی کبھی سمرتھ پڑوسی جاتی کی بھاشا کی ادھینتا سویکار کرنی پڑتی ہے۔'' (۱۴)

پڑوسی جاتی سے ایسا لین دین بالکل ہوسکتا ہے لیکن اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ پڑوسی جاتی کی بھاشا اور اپنی بھاشا کو ایک ہی جاتی سمجھ لیا جائے۔ جنوبی ہند کی دراوڑی زبانوں میں سنسکرت کے الفاظ کا تناسب دیکھ کر انھیں ہند آریائی خاندان کی زبانوں میں شامل نہیں کیا جا سکتا سو ہندی میں پنجابی کے الفاظ کا تناسب دیکھ کر انھیں ایک ہی زبان سے ماخوذ نہیں سمجھا جا سکتا۔

جہاں تک راجستھانی کا تعلق ہے تو یہ شورسینی اَپ بھرنش سے ہی ماخوذ ہے، اس کے بیشتر افعال دہلی اور نواحِ دہلی کی بولیوں کی طرز پر ہوتے ہیں۔ راجستھانی کی چار بولیاں مارواڑی، مالوی، جے پوری اور میواتی ہیں۔ برج بھاشا اور راجستھانی کی ان بولیوں میں کچھ مماثلتیں موجود ہیں۔ برج بھاشا کے قدیم ادب کو پنگل کہا جاتا ہے جبکہ مارواڑی کا قدیم ادب ڈنگل کہلاتا ہے۔ برج بھاشا اور راجستھانی کی مماثلتوں کی بنا پر ہندی ماہرینِ لسانیات راجستھانی کو بھی ہندی میں شامل کرتے ہیں اور اس پر راجستھان کی جنتا اور حکومتوں کو بھی کبھی کوئی اعتراض نہیں رہا۔ راجستھانی کی طرح گجراتی کو بھی شورسینی اَپ بھرنش سے ماخوذ ہونے اور جدید گجراتی اور برج بھاشا میں قواعد، افعال اور اسما کے اعتبار سے مماثلت ہونے کی وجہ سے اسے بھی ہندی کے تحت لیا جاتا ہے حالانکہ خود گجرات کی جنتا اس کے حق میں نہیں ہے۔

اب ذرا بہاری، بنگالی، آسامی، اُڑیا اور مراٹھی کو لیجیے۔ یہ تمام ہند آریائی خاندان کی زبانیں ہیں۔ بہاری، بنگالی، آسامی اور اُڑیا ایک ہی ماگدھی اَپ بھرنش سے ماخوذ ہیں۔ بہاری کی تین بولیوں میں میتھلی، مگہی اور بھوجپوری شامل ہیں۔ ڈاکٹر چٹرجی نے ان میں سے بھوجپوری کو خاص اہمیت دی ہے جبکہ ڈاکٹر جے کانت مشرا نے میتھلی کو۔ وہ اپنی کتاب 'میتھلی ساہتیہ کا اتہاس' میں بھوجپوری کو ہندی علاقے جبکہ میتھلی اور مگہی کو ہندی کے دائرے سے باہر خیال کرتے ہیں، میتھلی کے ضمن میں تو انھیں اس بات پر بھی شدید افسوس ہے کہ لوگوں نے میتھلی کے اپنے رسم الخط کی جگہ دیوناگری رسم الخط کو دے دی ہے۔ بہاری کی ان بولیوں میں سے بھوجپوری اور پوربی (ہندی) میں بہت سی مماثلتیں موجود ہیں۔ اسی طرح بنگالی، آسامی اور اُڑیا قواعدی اعتبار سے اتنی ملتی جلتی ہیں کہ ماہرینِ لسانیات ان میں بہنوں کا رشتہ پاتے ہیں۔ یہ تینوں ماگدھی اَپ بھرنش سے ہی ماخوذ ہیں اور ان میں سے بنگالی میں چونکہ زیادہ

قدیم ادب ملتا ہے اس لیے باقی دونوں سے معتبر سمجھی جاتی ہے۔ مراٹھی مہاراشٹرا کی زبان ہے اور مہاراشٹری اَپ بھرنش سے ارتقا پاتی ہے۔ اس نے جنوبی ہند آریائی اور دراوڑی زبانوں کے کناروں پر ڈیرا جما رکھا ہے۔ اسما کے اعتبار سے یہ مغربی ہندی کی کچھ بولیوں سے ہلکی سی مماثلت رکھتی ہے۔ مراٹھی اپنے ادبی سرمائے کی بدولت ہندی کے ماہرینِ لسانیات کو ہمیشہ اپنی طرف کھینچتی رہی ہے۔ ان سب کے علاوہ کچھ پہاڑی بولیاں بھی مدھیہ دیش کی زبانوں سے رشتہ رکھتی ہیں۔ ان میں سے نیپال کی گورکھالی بولی اہم ہے جسے اکثر اوقات ہندی کی اُپ بھاشا بھی کہا جاتا ہے۔ ان تمام بولیوں کا تعارف پیش کرنے کے بعد اب ہم ڈاکٹر گیان چند جین کا ایک قول نقل کرتے ہیں:

> ''یہ قابل توجہ ہے کہ امیر خسرو، ابتدا کے للولال اور دوسروں کی مطبوعہ کتب اور پریم چند پر ہندی اور اُردو دونوں کا دعویٰ ہے، اس طرح وِدّیا پتی پر (جس نے قدیم میتھلی اور اپ بھرنش دونوں میں لکھا) ہندی اور بنگالی دونوں کا دعویٰ ہے۔ نانک پر جنھوں نے پرانی برج، پرانی کھڑی بولی اور پرانی پنجابی میں لکھا ہندی اور پنجابی دونوں کا دعویٰ ہے، میرا کو (جس نے وسطی راجستھانی سے متاثر پرانی برج میں لکھا) جدید ادبی راجستھانی اور گجراتی دونوں اپناتی ہیں۔'' (۱۵)

گویا ہندوستان کی کم و بیش تمام ہند آریائی زبانوں جو دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں، کو آج نہ صرف ہندی کہا جاتا ہے بلکہ اُن زبانوں کے ادب پر بھی ہندی کا دعویٰ ہے۔ اسی لیے لسانیات میں ہندی کی تحدید ضروری ہو جاتی ہے تا کہ اُس کے اندر رہتے ہوئے لسانی و ادبی ارتقا کو سمجھا جا سکے۔ ایسی تحدید یقیناً دشوار ہوگی جب ایک طرف رام بلاس شرما ایسے ماہرینِ لسانیات یہ کہیں کہ راجستھانی اور پنجابی ہندی سے اتنی مختلف نہیں جتنی مراٹھی اور بنگالی (۱۶)۔ دوسری طرف سانکرتاین کی تحقیق یہ آشکار کرے کہ ناتھ پنتھیوں کا ادب کابل، پنجاب، یو۔پی، بہار، بنگال اور مہارشٹرا تک پھیلا ہوا تھا (۱۷)۔ اور تیسری طرف یہ نظر آئے کہ ساہتیہ اکیڈمی تو میتھلی کو بھی ہندی سے الگ زبان تسلیم کر چکی ہے۔ ایسے میں ہم ہندی سے کون سی زبان مراد لیں اور کس زبان کو چھوڑ دیں، یہ مسئلہ بہت اُلجھا ہوا ہے لیکن اس کا حل بہر صورت ہندی کے محققین اور ماہرینِ لسانیات کے پاس ہی ہوگا۔ سو ایک نظر ہندی کی نشو و نما کے حوالے سے مختلف علما کی آرا پر ڈالتے ہیں۔ وشواناتھ پرساد رقم طراز ہیں کہ:

> "According to Udyotana Suri's Kuvalayama, there were at least sixteen regional languages and dialects current in the eighth-ninth centuries. In the north, in Panjab, and in the east, in the languages and dialects prevalent between Bihar and Bengal, we notice that although in their spoken form they had local peculiarities, they were nevertheless gradually tending towards a common standard. It is clear from the Apabhransa literature of eighth to twelfth century that, on

account of the particular feature of development mentioned above, the literary language of the time was in large measure standardized, and in the written form there were not many regional variations. The emergence of Hindi as a common language of literary usage is clearly evident from the Apabhransa literature of the time. The best examples of the exogenous development of the Hindi language and its literature are to be found in the writings of the Siddha poets. There is no doubt that we find the oldest forms of Hindi in those works."(18)

وشوا ناتھ پرساد دراصل سدھوں اور ناتھ پنتھیوں کے نو دریافت شدہ ادب کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ آٹھویں سے بارہویں صدی عیسوی کے درمیان اَپ بھرنش کو ادبی زبان کا درجہ حاصل رہا وگرنہ حقیقت میں بارہویں صدی کے جن ادبی نمونوں کی زبان اَپ بھرنش یا اوہٹھ قرار دی جاتی ہے اُس میں مقامی بولیوں کے بہت سے الفاظ شامل ہو چکے تھے۔ گویا وہ دسویں صدی کی معیاری ادبی اَپ بھرنش سے فاصلہ اختیار کر چکی تھی۔ مثال کے طور پر شورسینی اَپ بھرنش کے آخری دور کے نمونوں میں پنجابی، کھڑی بولی، راجستھانی، برج بھاشا اور پورب کی اودھی اور بہاری کی بھوجپوری کی نمود سے انکار کرنا ممکن نہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ دسویں صدی تک پورے ہندوستان میں کوئی ایک اَپ بھرنش نہیں تھی بلکہ مختلف خطوں میں مختلف اَپ بھرنشیں رائج تھیں۔ اُن کی تعداد مختلف ماہرینِ لسانیات نے مختلف بتائی ہے۔ معروف اَپ بھرنشوں میں ناگر، براچڈ، کیکئی، ٹکی، اُپ ناگر، شورسینی، ماگدھی، اردھ ماگدھی اور مہاراشٹری شامل ہیں۔ مدھیہ دیش میں رابطے کی زبان کے طور پر ۱۰۰۰ء میں شورسینی اَپ بھرنش کا عروج نظر آتا ہے۔ یہ شورسینی اَپ بھرنش اُس شورسینی پراکرت سے ارتقا پذیر ہوئی جس کا ذکر وراروچی نے اپنی قواعد 'پراکرت پرکاش' میں کیا ہے۔ وراروچی نے اس قواعد میں سب سے زیادہ مہاراشٹری پر لکھا، اُس کے بعد پیشاچی، ماگدھی اور شورسینی پر۔ سنیتی کمار چٹر جی کا خیال ہے کہ وراروچی نے صرف ایک ہی زبان کا بیان کیا جو پراکرت کے نام سے موسوم ہے اور یہ شورسینی تھی جو آریائی زبانوں کے ارتقا کی دوسری منزل میں تھی۔ لکھتے ہیں کہ:

''اس وقت [۴۰۰ء کے لگ بھگ] اندرونی مصوتے حذف ہو چکے تھے پھر بعد میں کسی نے وراروچی کی 'پراکرت پرکاش' میں شورسینی کے ایک باب کا جعلی اضافہ کر دیا اور اُس میں اس بولی کی ایسی خصوصیات بیان کی گئیں جس سے معلوم ہوا کہ اس کا تعلق زمانہ قدیم سے ہے اور یہ ماگدھی کی ہمسر ہے۔ یہ خیال بھی قابلِ غور ہے۔ اگر یہ ٹھیک ہو تو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ مہاراشٹری پراکرت' شورسینی پراکرت اور شورسینی اَپ بھرنش کی درمیانی کڑی ہے۔''(۱۹)

چٹر جی مہاراشٹری اور شورسینی پراکرت کی درجہ بندی میں پڑ گئے وگرنہ یہ سمجھنا قطعاً دشوار نہیں کہ وراروچی

نے جس دور میں 'پراکرت پرکاش' لکھی اُس دور کی مہاراشٹری اور شورسینی پراکرت میں قواعد کی سطح پر آخر کتنا فرق ہوگا۔ یہ فرق اگلے پانچ چھ سو سال میں جا کر زیادہ واضح ہوا جب ہر علاقے میں اَپ بھرنشیں وجود میں آ کر مقبول ہو گئیں۔ متھرا ہندوستان کا وسطی علاقہ تھا اور یہاں کی شورسینی اَپ بھرنش کا ۱۰۰۰ء کے لگ بھگ پورے ملک میں ڈنکا بج رہا تھا۔ اکثر محققین اسی اَپ بھرنش کو جدید ہندی کا براہِ راست ماخذ سمجھتے ہیں۔ امرت رائے اُنھی میں سے ایک ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

> "Thus we see that but for a few of its phonetic peculiarities Apabhransa is so clearly connected to Hindi that no one can doubt it is the immediate precursor of Hindi. This is how Chatterji puts it: Western Apabhransa may, in a way, be called the immediate precursor of Brajbhasha and Hindusthani (Chatterji 's term for Hindi, free from Persian admixture, as distinguished from Hindustani). Chandradhar Sharma Guleri says it only a little differently. The old Apabhransa had similarities with Sanskrit and Prakrit and the later Apabhransa with old Hindi. From the seventh to eleventh centuries of Vikram era, Apabhransa was predominant and then turned into old Hindi."(20)

امرت رائے نے ہندی کو براہِ راست اَپ بھرنش سے ارتقا یافتہ تو کہا ہے لیکن اُس اَپ بھرنش کا نام نہیں لکھا۔ چونکہ انھوں نے اپنی بات کی دلیل میں چٹر جی کا حوالہ دیا ہے تو یہاں سے پتا چلتا ہے کہ غالباً وہ شورسینی اَپ بھرنش کا ہی ذکر کر رہے ہوں گے کیونکہ چٹر جی نے واضح الفاظ میں برج بھاشا اور ہندوستھانی (ہندی۔اُردو) کی بنیاد شورسینی اَپ بھرنش بتائی تھی۔ خیال رہے کہ چٹر جی شورسینی اَپ بھرنش اور ہندی کی ایک درمیانی منزل مغربی اَپ بھرنش بتاتے ہیں جو تیرہویں صدی عیسوی میں مدھیہ دیش کی کاروباری بولی ہو سکتی ہے۔ یہ مغربی اَپ بھرنش گریرسن کی مغربی ہندی اور مشرقی ہندی کی طرح فرضی اصطلاح ہے۔ اس نام کی کوئی زبان کبھی بول چال میں مستعمل رہی نہ ہی اس میں کوئی ادب ملتا ہے۔ ماہرینِ لسانیات جس قدیم ادب کی زبان کو مغربی اَپ بھرنش یا مغربی ہندی سمجھتے ہیں اُس کا اصل نام شورسینی اَپ بھرنش ہونا چاہیے یا پھر ۱۰۰۰ء کے بعد شورسینی اَپ بھرنش سے ارتقا پانے والی کسی مقامی بولی کا خام رُوپ۔

سنیتی کمار چٹر جی ہندی یا ہندوستھانی سے مراد صرف کھڑی بولی ہندی لیتے ہیں جب ہی لکھتے ہیں کہ:

> ''ہندوستھانی کی نشو ونما کے سلسلے میں پوربیا، بہاری، راجستھانی بولیوں کے گروہوں کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ ان کی قواعد بہت مختلف ہے۔ اگرچہ پوربیا بولیوں (مشرقی ہندی، اودھی یا بیسواری۔ بگھیلی اور چھتیس گڑھی)، بہاری بولیاں (بھوجپوری، میتھلی، مگھی اور چھوٹا ناگپوری) اور راجستھانی (میواتی ، جے

پوری، مارواڑی، میواڑی، مالوی جیسی متعدد بولیوں) کے بولنے والوں نے ہندی یا ہندوستھانی (اعلیٰ ہندی اور کسی قدر اردو) کو ادب اور عوامی زبان کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے۔ ہندی (ہندوستھانی) کی بنیاد میں پچھاسنہا بولیاں (خاص طور پر علاقائی ہندوستانی اور بانگڑو گروہ) اور کسی قدر مشرقی پنجابی کا دخل ہے۔''(۲۱)

اس اقتباس سے واضح طور پر ہندی کی ابتدا کو ہندوستان کے مغربی حصے سے منسوب کیا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انھوں نے ہندی کو اُردو کی طرح ہندوستانی کے قدیم رُوپ کھڑی بولی سے ارتقایافتہ بتایا ہے۔ یہ کھڑی بولی (ہندوستانی) وہی ہے جس کا رشتہ اُردو کے ماہر لسانیات مسعود حسین خاں اپنی کتاب 'مقدمہ تاریخ زبان اُردو' میں بانگڑو (ہریانوی) اور حافظ محمود شیرانی اپنی کتاب 'پنجاب میں اُردو' میں پنجابی کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چٹرجی کے درج بالا بیان سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے۔

تو کیا ہم صرف کھڑی بولی کی ایک ارتقایافتہ شکل کو ہی ہندی تصور کریں؟

لیکن ہندی کی نشو ونما میں برج بھاشا، اودھی اور بھوجپوری وغیرہ کو چھوڑ دینا کیوں کر ممکن ہے!

اچاریہ رام چندر شکلا نے کھڑی بولی کے ایک بڑے حامی بابو ایودھیا پرشاد کھتری کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ اودھی اور برج بھاشا کو ہندی تسلیم نہ کرتے تھے۔ لکھتے ہیں:

''وہ چاروں طرف گھوم گھوم کر کہا کرتے تھے کہ ابھی ہندی میں کویتا ہوئی کہاں! سور، تلشی، بہاری وغیرہ نے جس میں کویتا کی ہے وہ تو بھاکھا ہے ہندی نہیں۔''(۲۲)

ڈاکٹر پرکاش مونس نے اس اُلجھن کا ذکر یوں کیا ہے:

''ہندی والوں کے لیے بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر وہ پوربی ہندی کو تیاگتے ہیں تو تلسی داس کا رام چرت مانس ان کے قبضے سے نکل جاتا ہے اور اس طرح ہندی کا تقدس ہی جاتا رہے گا اور اگر وہ بہاری کو چھوڑتے ہیں تو پھر بھوجپوری کا اہم مقام بنارس جہاں کاشی ناگری پرچارنی سبھا کا صدر دفتر ہے اور جو ہندی کا سب سے بڑا گڑھ ہے، اُن کے دائرے سے باہر ہو جائے گا۔''(۲۳)

ہندی کے کچھ علما ایسے بھی ہیں جو ہندی کا رشتہ پوربی سے جوڑنے کے بجائے پچھّم کی ایک بولی برج بھاشا سے جوڑتے ہوئے اُسے ہندی کا ماخذ قرار دیتے ہیں۔ بابو بال مکند گپتا اپنی کتاب 'ہندی بھاشا' کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ ہندی بھاشا کی جنم بولی دِلی ہے اور یہاں پر برج بھاشا سے وہ اُتپن ہوئی' وہیں اس کا نام ہندی رکھا گیا(۲۴)۔ شری جگن ناتھ داس رتنا کر جو شاعرانہ مرتبے کے علاوہ سنسکرت اور پراکرت کے عالم کی حیثیت سے بھی جانے جاتے تھے' نے ہندی ساہتیہ سمیلن کے بیسویں اجلاس ۱۹۲۸ء منعقدہ کلکتہ کے خطبہ صدارت میں کھڑی بولی (ہندی) کی پیدائش برج بھاشا سے مانی ہے۔ امرت رائے صاحب کے ہاں الجھاؤ یہ ہے کہ وہ ایک طرف ہندی

کے ضمن میں پورب اور پچھّم دونوں کو حصار میں لینا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اسے پچھّم کی شورسینی اَپ بھرنش سے براہِ راست ارتقا یافتہ بھی مانتے ہیں۔ انھیں رام چندر شکلا سے یہ شکایت ہے کہ وہ سدھوؤں اور ناتھ پنتھیوں کے ادبی صحیفوں کو وہ اہمیت نہیں دیتے جو دینی چاہیے۔ امرت رائے جب ہندی زبان کی مختلف تواریخ میں قدیم گورکھ ناتھ ادب کا سرسری ذکر دیکھتے ہیں تو انھیں تعجب ہوتا ہے اور اپنے لسانی نظریے کو اقلیتی نظریہ محسوس کرتے ہیں (۲۵)۔ کچھ جگہوں پر ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ زبان کی تاریخ بیان کرتے ہوئے ہندوستان کی سیاسی تاریخ اُن کے جذبۂ قومیت پر ضرب کاری کر رہی ہے۔ بہرصورت ہندی کے ماخذ کے حوالے سے موجود تذبذب ختم کرنے کے لیے بالآخر وہ درج ذیل تجویز پیش کرتے ہیں:

> "A lot of confusion about the language of those times would be cleared and controversies set at rest if these dialects of Hindi [Brajbasha, Khari boli, Awadhi, Bhojpuri and Bundeli] were not contraposed one to the other but understood to be organic parts of the one, integrated Hindi Language which they are now, and were even more so then because their particular dialectical characteristics had not taken shape."(26)

اس بات کا مطلب تو ہوگا کہ ہندی کو ایک ملواں زبان تصور کر لیا جائے جو ان تمام بولیوں کے ملنے سے بنی۔ امرت رائے کی یہ بات کسی حد تک درست ہے کہ آغاز پر ان تمام بولیوں میں قواعدی اختلاف شاید اتنا نہیں ہوگا جتنا کہ بعد میں پیدا ہو گیا لیکن اس دلیل کی بنا پر بھی انہیں ایک ہی زبان سمجھنا مشکل ہے کیونکہ ہمارے سامنے اِن بولیوں کا لسانی ارتقا بھی تو ہے۔ جب ان میں فرق نہیں ہوگا تب یہ بولیاں بھی نہیں تھیں بلکہ بولی تھی۔ اور یقیناً کوئی پراکرت تھی۔ اُس کے بعد اس سے اَپ بھرنشیں وجود میں آئیں، پھر اَپ بھرنشیں بھی جب ادبی زبان بن گئیں تب مذکورہ بولیاں اُبھریں اور آج یہ بھی ارتقا پا کر ادبی زبانیں بن چکی ہیں اور اپنی اپنی منفرد ادبی روایت رکھتی ہیں، ایسے میں انھیں ایک ہی نام اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ خود اپنے ہندی ہونے کا اعلان نہ کریں۔ امرت رائے صاحب نے ہندی کی جن بولیوں کی بات کی ہے اُن میں سے برج بھاشا، کھڑی بولی، بندھیلی کا ماخذ تو ایک ہی اَپ بھرنش ہے لیکن اودھی کا ماخذ مختلف ہے۔ اسی طرح بھوجپوری بہاری کی بولی ہے۔ یہ بھی بہاری کی دوسری بولی میتھلی کی طرح آج ہندی سے الگ زبان کے طور پر اپنا وجود رکھتی ہوتی اگر ڈاکٹر راجندر پرساد کی کوششوں سے بھوجپوری کو ہندی سے الگ زبان منوانے کی تحریک ختم نہ ہو گئی ہوتی۔ سو ان مختلف بولیوں کے ہندی ہونے کا دعویٰ کرنا اتنا آسان نہیں جتنا امرت رائے صاحب سمجھتے ہیں۔

ڈاکٹر نامور سنگھ اَپ بھرنش کے عالم ہیں۔ وہ اپنی کتاب 'ہندی کے وکاس میں اَپ بھرنش کا یگ' میں تسلیم

کرتے ہیں کہ:

''چودھویں صدی کے شروع ہی سے اپنے علاقے میں گجراتی، مراٹھی اور بنگلہ وغیرہ کا آزادانہ اقتدار رکھائی دینے لگتا ہے۔لیکن مدھیہ دیش کی بھاشا کا آغاز اس طرح نہ ہو سکا۔اس بڑے علاقے میں چھوٹی چھوٹی ادبی بولیاں بن گئیں۔ان بولیوں میں بھی سب کا ارتقا یکساں نہیں ہوا۔راجستھانی اور میتھلی بولیوں کا ارتقا پہلے ہوا، اس کے بعد اودھی کا۔ برج بھاشا اور کھڑی بولی کا طلوع لگ بھگ ساتھ ساتھ ہوا لیکن ادبی نقطۂ نظر برج بھاشا کھڑی بولی سے پہلے ہی مقبول اور قابل مطالعہ بن گئی۔''(۲۷)

تمام بولیوں جن پر ہندی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے کا ارتقا اگر یکساں نہیں ہوا اور جدید لسانیات کی رُو سے الگ الگ اَپ بھرنشوں سے ماخوذ ہیں تو اُن سب کو ہندی قرار دینا احتیاط کا متقاضی ہوگا۔اب تک کی بحث سے ہندی زبان کے درج ذیل چار مختلف مفاہیم سامنے آتے ہیں:

۱۔ کھڑی بولی ہندی ۲۔مغربی ہندی اور مشرقی ہندی

۳۔مغربی ہندی، مشرقی ہندی، بہاری، راجستھانی ۴۔مغربی ہندی، مشرقی ہندی، بہاری، راجستھانی، پنجابی، مراٹھی، بنگالی

موخر الذکر مفہوم لسانیات کی رُو سے یکسر رَد ہوتا ہے۔ان تمام بولیوں کے لیے صرف ہند کی مناسبت سے ہندی کا نام استعمال کیا جاتا رہا اور یہ زیادہ تر باہر سے ہندوستان آنے والوں نے کیا جن میں عربوں کو اولیت حاصل ہے۔ ہندی سے ثانی الذکر اور ثلاث الذکر مفہوم صرف اس حد تک لیا جا سکتا ہے کہ ان بولیوں میں عہدِ قدیم سے لے کر عہدِ حاضر تک کا دستیاب ادب ہندوؤں کی مذہبی، معاشرتی اور تہذیبی روایات کا آئینہ دار اور پیش کار ہے۔ اول الذکر مفہوم صحیح معنوں میں اُس ہندی زبان کا ہے جو تیرہویں صدی سے لے کر عہدِ حاضر تک پورے ہندوستان میں بولی اور سمجھی جاتی رہی ہے اور لوگوں میں رابطے کا ذریعہ رہی ہے۔ ہندی کے متذکرہ تمام مفاہیم کو ذہن میں رکھیں اور امرت رائے کا درج ذیل بیان ملاحظہ کریں جو ہندی کے آغاز اور ارتقا کی بابت ہے:

"We have, thus, seen that Rajasthani and Panjabi and Haryani, as cognate languages of Western Hindi, have played an important part in the formation of Hindi, and so it is only to be expected that their traces should be found in the language of Gorakhnath. However, another important point calling for conceptual clarity in this regard is the role of dialects of Hindi- Brajbasha and Khari Boli in the west, and Kosali or Awadhi and Bhojpuri in the east, the latter two constituting what is called Purabi, the eastern speech-in the formation of the new language at that early stage. It seems

> that eight or nine hundred years ago, when Hindi was at its initial stage of formation without any clear identity or specific characters of its own, it did what was for it the most natural thing to do, that is, draw freely upon the various forms of speech prevalent in its wide territory, from Rajasthani on the one hand to Purabi on the other. Thus Hindi, at that time was what its various dialects (all in their earliest stage of formation) and the other cognate languages of Hindi (also incipient) made it."(28)

ہندی کی بولیوں میں امرت رائے برج بھاشا، کھڑی بولی، اودھی اور بھوجپوری کو اور ہندی کی ہم خاندانی زبانوں میں راجستھانی، پنجابی اور ہریانی کو شامل کر کے کہتے ہیں کہ ان زبانوں نے ہندی کی تشکیل میں معاونت کی۔ یوں وہ ہندی کو مدھیہ دیش کی سرحدوں سے نکال کر پورے شمالی ہند تک پھیلا دیتے ہیں۔ ان کی توجیہ کو منطقی بھی سمجھ لیا جائے تو یہ غیر لسانیاتی رہے گی۔ جدید لسانیات ہندی کی مختلف بولیوں کی اپنے ماخذات کی روشنی میں گروہ بندی کس طرح کرتی ہے، جاننے کے لیے ہندی کے ہی ایک معتبر ماہر لسانیات ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری کا 'بھاشا وگیان' میں درج یہ خاکہ ملاحظہ کریں (۲۹):

(ا) مدھیہ -> شورسینی [مغربی ہندی، راجستھانی، گجراتی]
(ب) مشرقی -> ماگدھی [بہاری۔ اُڑیا۔ بنگالی۔ آسامی]
(ج) مدھیہ پوربی -> اردھ ماگدھی [مشرقی ہندی]
(د) جنوبی -> مہاراشٹری [مراٹھی]
(ر) شمال مغربی -> براچڈ پشاچی [سندھی۔ لہندا۔ پنجابی]

لسانیاتی نقطۂ نظر سے موجودہ ہندی زبان کی ابتدا کا علاقہ مدھیہ دیش ہے۔ اس علاقے کے بیشتر حصے میں شورسینی اَپ بھرنش کا دور دورہ رہا ہے لیکن پوربی مدھیہ دیش میں اردھ ماگدھی اَپ بھرنش رائج تھی جو شورسینی اور ماگدھی کی درمیانی صورت سمجھی جا سکتی ہے۔ ماگدھی اَپ بھرنش کا علاقہ مشرق تھا لیکن اس سے ماخوذ بولیوں میں سے بہاری چونکہ پوربی مدھیہ دیش کے قریب بولی جاتی تھی اس لیے اس کے اثرات اردھ ماگدھی سے ماخوذ مشرقی ہندی (اودھی) تک آ گئے۔ اِدھر سے پچھمی مدھیہ دیش میں چونکہ پنجاب بھی شامل ہو گیا تھا اور یہاں کی شورسینی اَپ بھرنش کو ویسے بھی مرکزی حیثیت حاصل تھی سو اُس کے اثرات پنجاب تک چلے گئے۔ پنجابی اور ہندی کے اشتراکات کی اصل وجہ بھی یہ ہے ورنہ پنجابی کا حسب نسب ہندی سے مختلف ہے۔ عام بول چال کی ہندی کے بارے میں بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ:

☆ لسانیاتی نقطۂ نظر سے ہندی اصلاً شورسینی اَپ بھرنش سے ماخوذ ہے اور مدھیہ دیش کی زبان ہے۔ ۱۰۰۰ء کے بعد

اس کی بول چال کی شکل کھڑی بولی کی صورت میں اُبھرنا شروع ہوئی۔ یہ کھڑی بولی پندرھویں صدی عیسوی سے اٹھارویں صدی عیسوی تک ہندوستان کے سیاسی اور تہذیبی حالات کے زیرِ اثر ارتقا پاتی رہی۔ اس وقت تک یہ ایک ہی زبان سمجھی جاتی تھی تاہم اٹھارویں صدی میں دربار اور شہروں میں اشرافیہ نے بول چال کی سطح پر اس میں عربی اور فارسی الفاظ کا استعمال زیادہ شروع کر دیا۔ اس روش کو سرکاری سرپرستی بھی ملی۔ لیکن دربار سے باہر عام جنتا میں اور شہروں سے دُور دیہاتوں میں بول چال کی زبان کے طور پر کھڑی بولی کا فطری رُوپ مروج رہا جس میں برج بھاشا، راجستھانی اور پنجابی کے دخیل الفاظ بھی اُسی طرح مستعمل رہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں اس ایک کھڑی بولی کو دخیل الفاظ کی بنا پر دو زبانوں میں تقسیم سمجھ لیا گیا۔ جن لوگوں کے ہاں عربی، فارسی اور ترکی کے الفاظ کا استعمال زیادہ تھا، اُن کی زبان کا الگ نام اُردو رواج پا گیا اور بقیہ لوگوں کی زبان اُسی طرح ہندی کہلاتی رہی۔

☆ ہندوستان میں سرکاری سطح پر چونکہ پوربی رمشرقی (اودھی، بگھیلی، چھتیس گڑھی)، بہاری (بھوجپوری) اور راجستھانی کو ہندی ہی کی بولیاں سمجھا جاتا ہے اور وہ سارا قدیم ادب جسے ہندو اپنی تہذیبی میراث سمجھتے ہیں انھی بولیوں میں ملتا ہے اس لیے ہندی ادب کے ذخیرے میں ان بولیوں کا حصہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

☆ ہندی کی متذکرہ بالا بولیوں کے ادب کو ہندی ادب شمار کرنے سے تلسی داس، سورداس، ملک محمد جائسی، میرا بائی اور بہاری ایسے عظیم تخلیق کاروں کے کارناموں پر ہندی کا دعویٰ تو قائم ہو جاتا ہے لیکن ان کی زبان اودھی، برج بھاشا اور راجستھانی ہی سمجھی جائے گی نہ کہ ہندی۔ اِن بولیوں میں سے کوئی بھی ہندی کی ماخذ ہونے کی دعویدار نہیں۔ لسانی مطالعے میں ہندی کے ساتھ ان کا باہمی رشتہ برابری کی سطح پر لیا جانا چاہیے۔ ان بولیوں کو ہندی پر صرف اپنے ادبی شاہکاروں کی بنا پر کوئی فوقیت حاصل ہو سکتی ہے۔

☆ ہندی زبان کی تاریخ اور ہندی ادب کی تاریخ دو مختلف ابواب ہیں۔

یہاں تک پہنچ کر جب ہندی کی تحدید اُس کے ماخذ کی روشنی میں ہو جائے تو محققین کو عموماً اس مشکل کا سامنا ہوتا ہے کہ ہندی زبان کے ارتقا کے ضمن میں کن تحریری نمونوں کو زیرِ بحث لایا جائے۔ ہندی چونکہ کھڑی بولی سے ماخوذ ہے اس لیے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ شمالی ہند کے بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی کے دستیاب متون سے اس زبان کے نقوش تلاش کر کے عہدِ حاضر تک کا لسانی ارتقا واضح کیا جاتا لیکن دو ایسے مسائل درپیش آئے کہ یہ ممکن نہ رہا۔ اول یہ کہ فورٹ ولیم کالج میں للولال کوی اور سدل مشرا نے کھڑی بولی کے ارتقا یافتہ فطری رُوپ کو خیرباد کہہ کر ایسی ہندی میں تصانیف کیں جو قابلِ اعتراض ٹھہری۔ اس عمل کے ارادی یا غیر ارادی ہونے کا موضوع ایک الگ مضمون کا متقاضی ہے۔ یہاں صرف اتنا واضح کر دینا ضروری ہے کہ راجہ شیو پرساد، ایودھیا پرساد کھتری اور منشی پریم چند ایسے لوگوں سے بھارتیندو ہریش چندر کے ساتھیوں کا بنیادی اختلاف للولال کوی کی متعارف کردہ زبان کے حوالے سے ہی تھا۔ بھارتیندو ہریش چندر خود بھی ہندی کا ماخذ کھڑی بولی کو ہی سمجھتے تھے لیکن اپنے ساتھیوں کی برج بھاشا سے محبت کو نظر انداز نہ کر سکتے تھے۔ ہندی کو للولال کوی کی طرز پر سنسکرت زدہ کر کے مصنوعی بنانے کے حق میں

اُس دور کا کوئی بھی باشعور عالم نہیں تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہندی علما عربی اور فارسی الفاظ کے استعمال کے حق میں بھی نہیں تھے۔ بہرکیف کھڑی بولی میں پیدا ہونے والی تفریق سے ابھی بحث مقصود نہیں۔ ہندی کے اپنے ماخذ کی روشنی میں ارتقا کے حوالے سے دوسرا مسئلہ یہ رہا کہ ہندوستانی مورخین نے کھڑی بولی کے چار پانچ سو برسوں کے ادبی سرمائے پر اُردو والوں کے دعوے کے بعد ہندی ادب کا دائرہ اتنا پھیلا دیا ہے کہ اسے سمیٹنا آسان نہیں رہا۔ اَپ بھرنش دور سے ہی ملنے والے کھڑی بولی کے اولین آثار پر اُردو اور ہندی دونوں کا برابر حق ہے لیکن ہوا یہ کہ موضوعات اور مواد کی سطح پر جن نمونوں میں ہندو مذہب اور تہذیب کی نمائندگی تھی' اُردو کے مورخین اُن سے دستبردار ہوکر امیر خسرو کو نقطۂ آغاز تسلیم کرنے لگے اور ہندی والوں نے سدھوں اور ناتھ پنتھیوں بالخصوص گورکھ ناتھ کی شاعری سے کھڑی بولی کے نمونے تلاشے، ویرگا تھا کال میں لکھی جانے والی رزمیہ نظموں (جنھیں 'راسو' کہا جاتا ہے) کو بھی کھڑی بولی (ہندی) کے ارتقا میں شامل کیا' اس کے علاوہ کبیر، تلسی داس، سورداس، میرابائی، ملک محمد جائسی، رحیم خانخاناں، بہاری اور بھوشن ایسے شعرا کے کلام میں کھڑی بولی کے آثار کی نشاندہی کر کے شمالی ہند میں ہندی کی لسانی روایت کو پیش کیا۔ اس کے برعکس اُردو مورخین امیر خسرو کے بعد جنوبی ہند کی مراجعت اختیار کر لیتے ہیں۔

ہندی کا آغاز فورٹ ولیم کالج میں للولال کوی سے سمجھنا ایک غیر سنجیدہ فعل ہے۔ اُردو سے محبت یا ہندی کی مخالفت کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ ان دونوں زبانوں کے ماخذ کے ساتھ انصاف نہ کیا جائے۔ اُردو بول چال کی موجود شکل کو جب ہم کھڑی بولی سے ماخوذ تسلیم کرتے ہیں تو ہندی بول چال کی موجودہ شکل کو اِس کے اُسی ماخذ سے الگ کیوں کر سمجھا جا سکتا ہے۔ للولال کوی کو جس ہندی (اعلیٰ ہندی) کی تشکیل کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے وہ ادبی سطح پر تو زندہ ہے لیکن بول چال پر اُس کا اثر نسبتاً کم ہے۔ اُردو اور ہندی کی وحدت کا سوال جب بھی سامنے ہوگا تو دونوں زبانوں کا مشترک ماخذ اس کی سب سے بڑی دلیل بنے گا۔ للولال کوی کی برج بھاشا پر دسترس اور عطا خاں تحسین، حاتم، آرزو اور ناسخ کی فارسی پر دسترس کی تجربہ گاہ کھڑی بولی کا میدان تو بنا لیکن اس عمل سے اُردو اور ہندی کا بنیادی لسانی ڈھانچہ تبدیل ہوا نہ ہی مختلف رسم الخط سے ان زبانوں کی وحدت کی اساس جاتی رہی۔ یہ دونوں جدید ہند آریائی زبانیں ہیں اور لسانیاتی جائزے کی توسیع پر میں ان دونوں کے ماخذ (کھڑی بولی) اور شمالی ہند کی دوسری بولیوں برج بھاشا، قنوجی، بندھیلی اور راجستھانی وغیرہ کا ماخذ بھی ایک ہی ملتا ہے گویا ان زبانوں کے آغاز و ارتقا سے بحث کے لیے ماضی کے لسانی نقشے کا شعور ہونا ضروری ہے۔

حوالہ جات

1. Grierson, G.A. Linguistic Survey of India, Vol. 1, Part. 1, Low Price Publications, Delhi, 1927, P.158
2. Linguistic Survey of India, Vol. 9, Part. 1 , P.1
3. Ibid, P.46

۴۔ جین، گیان چند، لسانی رشتے، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۱۴۴

۵۔ سندرداس، شیام، بھاشا وگیان، طبع پنجم، ص ۱۰۵، بحوالہ: اُردو ادب پر ہندی ادب کا اثر از ڈاکٹر پرکاش مونس، مطبع نیشنل آرٹ پرنٹرس، الہ آباد، ۱۹۷۸ء، (طبع اول) ص ۱۵۔۱۶

۶۔ ورما، دھریندر، ڈاکٹر، ہندی بھاشا کا اتہاس، ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد، ۱۹۳۳ء، ص ۵۹

۷۔ ورما، دھریندر، ڈاکٹر، گرامین ہندی، ساہتیہ بھاون لمیٹڈ، الہ اباد، ۱۹۶۶ء، ص ۱۰

۸۔ ورما، دھریندر، ڈاکٹر، ہندی بھاشا اور لپی، ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد، ۱۹۳۹ء، ص ۳۶

۹۔ اُردو ادب پر ہندی ادب کا اثر، ص ۱۸

۱۰۔ اگروال، سوریہ پرشاد، ڈاکٹر، بھاشا وگیان اور ہندی، بھارتیہ ودیا بھاونا، الہ آباد، ۱۹۵۷ء، ص ۱۵۶

۱۱۔ بحوالہ: بھاشا اور سماج از ڈاکٹر رام بلاس شرما، پیپلز پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۶۱ء، ص ۴۰۳

۱۲۔ شرما، رام بلاس، ڈاکٹر، بھاشا اور سماج، ص ۴۱۰۔۴۱۱ ۱۳۔ ایضاً، ص ۴۲۳۔۴۲۵ ۱۴۔ ایضاً، ص ۴۱۱

۱۵۔ جین، گیان چند، ایک بھاشا: دولکھاوٹ، دوادب، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۵ء، ص ۹۲۔۹۳

۱۶۔ بھاشا اور سماج، ص ۴۱۰

۱۷۔ ایک بھاشا: دولکھاوٹ، دوادب، ص ۹۸

18. Reference to: A House Divided: The origin and Development of Hindi/Hindvi by Amrit Rai, Oxford University Press, Delhi, 1984, P.54

۱۹۔ چٹرجی، سنیتی کمار، ہندآریائی اور ہندی، مترجم: عتیق احمد صدیقی، قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء، تیسرا ایڈیشن، ص ۱۵۷

20. Rai, Amrit. A House Divided: The origin and Development of Hindi/Hindvi, Oxford University Press, Delhi, 1984, P.54

۲۱۔ ہندآریائی اور ہندی، ۱۶۲

۲۲۔ شکلا، رام چندر، ہندی ساہتیہ کا اتہاس، ناگری پرچارنی سبھا، وارانسی، ۱۹۶۵ء، پندرھواں ایڈیشن، ص ۳۹۶

۲۳۔ اُردو ادب پر ہندی ادب کا اثر، ص ۲۱

۲۴۔ بحوالہ: برج بھاشا بنام کھڑی بولی از ڈاکٹر کپل دیو سنگھ (سمہا)، ونود پستک مندر، آگرہ، مئی ۱۹۵۶ء، طبع اول، ص ۴۵

25. A House Divided: The origin and Development of Hindi/Hindvi, P.77

26. Ibid, P.84

۲۷۔ نامور سنگھ، ڈاکٹر، ہندی کے وکاس میں اپ بھرنش کا یگ، لوک بھارت پرکاسن، الہ آباد، ۱۹۷۱ء، ص ۹۹۔۱۰۰

28. A House Divided: The origin and Development of Hindi/Hindvi, P.89-90

۲۹۔ تواری، بھولا ناتھ، بھاشا وگیان، کتاب محلّہ، الہ آباد، ۱۹۲۶ء، ص ۱۹۹